

**THE BOOK WAS
DRENCHED**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188813

UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University Library

Call No ۸۹۲۵۷۸

Accession No. 19142

Author حسین اظہار علی - آ 1972

title

This book should be returned on or before the date last marked below

اندھیاں

بُستان
ارضی دیوتا
پیش کرد
و خشنود
خدا اور دیوتا
زرد پتے
آندھیاں

جبران خلیل جبران

اندھیاں

بشپوهندی

جبران اکادمی ۽ لائبریری

پبلشرز - انورس بکس چارینا حیدرآباد

بشیر ہندی
بنگرانہ

قیمت ----- دو روپے
پبشرز ----- جبرائیل اکادمی لاہور
طابع ----- پنجاب پریس لاہور
پرنٹر ----- منڈیر حسین

فہرست

۷	تم اور میں
۱۶	مکاشفہ
۲۰	میرے دل نے کہا
۲۸	سالگرہ
۴۱	معبد کے دروازے پر
۵۰	شاعر
۵۷	اے بیری ماں کے بیٹو
۶۴	رات
۷۲	اے دل تو کبھی خاموش ہو جا
۸۴	مٹی

تم اور میں

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تجھل میرے لیے

تمہارا خیال ایک سخت جان درخت ہے۔ جس کی جڑیں تقلید
کی گیلی مٹی میں پھنس کر رہ گئی ہیں اور شاخیں استمراہ کی قوت سے
پھیلتی ہیں

اور میرا تجھل فضا میں تیرتے ہوئے بادل کا ایک ٹکڑا ہے جو
بوند بوند ٹپکتا ہے پھر ندی بن کر سمندر تک پہنچتا ہے اور پھر چھوٹی
چھوٹی بدلیاں بن کر بلند یوں تک جا پہنچتا ہے

تمہارا خیال ایک متین اور مضبوط بسج ہے جسے نہ کوئی طرف
اپنی جانب جھکا سکتی ہے اور نہ اسے آندھیاں ہلا سکتی ہیں
اور میرا تجھل وہ نرم و نازک شاخ ہے جو ہر طرف جھکتی اور لہراتی
ہے اور اس کے لہانے سے نازگی اور مسرت حاصل ہوتی ہے

تمہارا خیال ایک ایسا قدیم مطلب ہے جو نہ تمہیں کچھ اور بنا سکتا ہے
اور نہ خود بدلتا ہے۔

میرا تخیل ایک نئی اور انوکھی چیز ہے۔ جو مجھے صبح و شام الٹی پلٹتی
رہتی ہے اور میں اسے الٹا پلٹتا ہوں
تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تمہارے خیال میں صرف یہی کچھ ہے کہ تم میں سے ہر طاقتور ہر کمزور
کو جھنجھوڑے اور تمہارا شاطر اور چالاک شخص سادہ لوح انسان پر فریب
ڈورے ڈالتا ہے

میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ کدال سے زمین کو کھودو اور اسے اپنے
غون سے سینج کر پھل حاصل کرو اور پتھر اور گارے سے ایک مکان
تعمیر کرو اور روٹی یا اڈن سے ایک لباس بنا لو

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ عالی مرتبہ اور امیر و کبیر خاندانوں سے
رشتے جوڑے جائیں
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ پر بھروسہ کروں

تمہارا خیال تمہیں کتنا ہے کہ سنانے کے لیے انوکھی اور دلفریب
 داستانیں ہوں اور شہرت کے پیچھے دوڑ دھوپ کی جائے
 میرا تخیل مجھے کتنا ہے کہ داستانوں اور شہرت کو ایسے سمجھوں
 جیسے ابدی ساحل پر ریت کے دو دانے ہوں

تمہارا خیال تمہیں کتنا ہے کہ سر بلندی اور نفع اندوزی کے لیے جہاد کرو
 میرا تخیل مجھے کتنا ہے کہ سلامتی کی رغبت اور صرف آزادی کا شوق رکھو

تمہارا خیال تمہیں کتنا ہے کہ تم حسین محلوں کے خواب دیکھا کرو۔ جن
 کا ساز و سامان فن کاری کا بہترین نمونہ ہو۔ اور ان کے پردے الف لیلیوی
 ناول سے بنے گئے ہوں
 میرا تخیل مجھے کتنا ہے کہ میری رُوح اور میرا جسم اتنا پاکیزہ ہونا چاہے
 کہ مجھے یہ بھی پروا نہ رہے کہ میں اپنا سر کہاں ٹیکوں

تمہارا خیال تمہیں کتنا ہے کہ کوشش کرو کہ تمہیں عہدے ملیں اور
 القابوں سے نوازے جاؤ
 میرا تخیل مجھے کتنا ہے کہ میں صرف ایک نفع رسا خادم بن جاؤں

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ تم فتنی اور سیاسی گورکھ دھندے
بن جاؤ
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ میرے کھلے کھلے اصول ہوں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ وہ حسین عورت ہے۔ وہ ہنسل ہے
وہ بڑی فہیم ہے وہ قابل ہے وہ نالائق ہے اور وہ بیوقوف ہے
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ ہر عورت ہر مرد کی ماں ہے ہر عورت ہر
مرد کی بہن ہے اور ہر عورت ہر مرد کی بیٹی ہے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے وہ چور۔ گنہگار۔ بد اعمال۔ غنی اور نافرمان ہے
میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ چور ذخیرہ اندوز نے بنایا۔ مجرم کو ظالم نے
پیدا کیا ہے۔ قاتل مقتول کا حلیف ہے۔ بد اعمال نیک کردار کا پھیل
ہے اور نافرمان فرمانبردار کی کا نتیجہ ہے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ تم شریعت کے خلاف علمِ لغات بلند کرو

لیکن میرا تمجیل کہتا ہے کہ اگر ایک شریعت خود ساختہ ہو تو ہمارا ہر شخص اس کی مخالفت کرے گا۔ یا اس کے سامنے گردن جھکا دے گا۔ پھر جب ایک بنیادی قانون ہو۔ تو ہمارا ہر شخص اس کا چلانے والا ہے۔ گرنے والوں میں سے جب کوئی اُف کرے گا۔ وہ انہی میں سے ہو گا اور جو اپنا دامن جھنڈے گا تاکہ وہ اپنے آپ کو اونچا سمجھنے والوں سے چھوڑ جائے۔ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر وہ شخص جو پھسلنے سے بچ جائے اور لپستی سے سر بلند ہو لینے کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھے وہ ساری کی ساری انسانیت کی بلندی پر فخر کرتا ہے اور جو شخص اپنے بچا رہنے پر ناز کرتا ہے وہ زندگی سے اپنے آپ کو بچا لینے پر ناز کرتا ہے۔

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے۔ کہ ماہر فنکار۔ قابلِ اُستاد۔ لیاقت کا مجسمہ۔ فلسفی اور امام بن جاؤ۔ لیکن میرا تمجیل کہتا ہے۔ کہ الفت رکھنے والا۔ محبت کرنے والا۔ فخلص حق گو۔ مستقل مزاج قربانی کرنے والا اور صاحبِ نظر بنوں۔ تمہارا خیالی کہتا ہے کہ موسویت۔ مسیحیت۔ بُدھیت۔ ہندوئیت اور اسلامیت

لیکن میرا تخیل کہتا ہے۔ کہ ایک مجرد مطلق دین کے سوا اور کچھ نہیں ہے گو اس کے ظہور کے طریقے بہت ہوشے پندہ مجرد و مطلق ہی رہا گو اس کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ لیکن وہ نہ بدلا جیسے ہاتھ کی انگلیاں

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کافر۔ مشرک۔ دہری۔ خارجی۔ زندیق لیکن میرا تخیل کہتا ہے۔ حیران و پریشاں دل کمزور ستایا ہوا اور عقل و روح سے عاری

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ دولت مند۔ فقیر۔ مخیر اور صاحب استطاعت

لیکن میرا تخیل کہتا ہے کہ ہم سب محتاج ہیں۔ زندگی کے سوائے ہم سب حاجتمند ہیں اور زندگی کے سوا کوئی مخیر نہیں

میرا تخیل میرے لیے ہے اور تمہارا خیال تمہارے لیے

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ قومیں سیاسی جماعتوں۔ کانفرنسوں

تقریباً اور قدر اور اول سے بنتی ہیں
 لیکن میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ قومیں عمل سے بنا سکتی ہیں اور
 عمل سخاوت اور مہربانی میں ہے عمل زندگی کی بھٹی میں ہے عمل
 تعمیر اور تخریب میں ہے اور عمل لکھنا اور چھپنے میں ہے
 تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ قبیلوں کی عظمت و شرافت قبیلے کے
 جیالوں کی وجہ سے ہے اسی لیے مزوہ - بخت نصر - فرعون - سکندر
 قیصر اور نپولین کا ذکر جھوم جھوم کر کرتے ہو

لیکن میرا تخیل مجھے کہتا ہے کہ جیالے یہ لوگ تھے علی ابن طالب غزالی وغیرہ
 تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ زبردست طاقت مند قوی توپوں اور ٹیکوں وغیرہ
 لیکن میرا تخیل مجھے پودے جوش اور یقین سے کہتا ہے کہ سچائی سے
 بڑھ کر کوئی طاقت نہیں اور سچی بات سے بڑا کوئی عزم نہیں - مانا کہ
 بسا اوقات ساماں اور اسباب سے مدد لینے والوں کا مدد کافی طویل
 رہا لیکن آخر کار وہ مغلوب ہو گئے۔

تمہارا خیال تمہیں کہتا ہے کہ جز اور کل عمل اور تخیل تصرف اور ذاتیت
 کو جدا جدا سمجھا جائے
 لیکن میرا تخیل کہتا ہے کہ زندگی میں یکتا ہی ہے جس کے بڑے

وزن قیاس اور جدولیں ہیں جو تمہارے قیاسوں اور جدولوں پر پورے
 نہیں اترتے۔ یہ ہوتا ہے کہ جسے تم خیالی انسان سمجھتے ہو وہ باعمل لوگوں
 میں سے ہوتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں تم مادہ پرست اور
 اجرائی سمجھتے ہو وہ وہی ہوتا ہے
 تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور میرا تخیل میرے لیے

تم اپنے خیال کے پیچھے چلو جو کھنڈروں اور پتھروں میں بھٹک
 رہا ہے
 لیکن میں اپنے تخیل کی نگہبانی میں ہوں جو جناب وسیم میں
 خاموش ہے

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے تم ساز لے کر اس کے گیت گاؤ
 اور پُرجوش رقص کرو
 لیکن میرا تخیل تمہارے سازوں کی تاروں پر دم توڑنے کے لیے
 ایک آخری نغمہ ہے

تمہارا خیال تمہارے لیے ہے اور وہ تمام لوگوں کا فکر و خیال ہے

جو ملنا چھنا پسند کریں الفت رکھنا اور خوش رہنا چاہیں
 میلہ تخیل میرے لیے ہے اور یہ ہر اس شخص کا تخیل ہے جس کا
 اس کے اپنے گھر میں کوئی نہ ہو اور جو اپنے بھائی بندوں میں ایک
 اجنبی ہو اور جس کے وابستگان اسے پاگل خیال کرتے ہیں
 تم اپنے لیے سوچو اور میں اپنے لیے

مرکاشفہ

جب رات کافی گزر چکی، اور نیند نے اپنا دامن تمام دنیا پر
 پھیلا دیا میں اپنے بستر سے یہ کہتے ہوئے اٹھا۔
 سمندر کبھی نہیں سوتا اور اس کی بیداری بے چین حوال کو تسکین بخشتی ہے
 جب میں ساحل پر پہنچا۔ تو کمر پہلے ہی پہاڑ کی چوٹیوں سے نیچے
 اتر چکی تھی اور دنیا کو اس طرح ڈھانپ چکی تھی جس طرح نقاب کسی شیزہ
 کے چہرے کو زیریا کشت بخشتا ہے۔
 میں وہاں کھڑا موجوں کا نظارہ کرتا رہا
 ان کے گیتوں کو سنتا رہا اور اس قوت پر غور کرتا رہا۔ جہان کے
 پس پردہ کام کر رہی ہے
 وہ قوت جو طوفانوں کے ساتھ حرکت کرتی ہے
 کوہ آتش فشاں میں غیظ و غضب کا اظہار کرتی ہے
 پھولوں کے ساتھ سنستی ہے اور گنگناتی ہوئی ندیوں کے
 ساتھ گاتی ہے

کچھ دیر بعد میں نے پلیٹ کر دیکھا۔ تو مجھے قریب کی ایک چٹان پر
تین صورتیں دکھائی دیں

میں نے دیکھا۔ کہ کہرنے انہیں اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے لیکن
پھر کھلی وہ مجھ سے پوری طرح پوشیدہ نہ تھیں
میں ایک نامعلوم کشش کے ماتحت آہستہ آہستہ پٹان کی طرف
بڑھا جس پر وہ بیٹھی تھیں

چند قدم دور کھڑے ہو کر میں نے ان پر اپنی نگاہیں جمادیں کیونکہ
اس مقام میں کچھ عجیب جادو سا تھا۔ جس میں میرے تصورات کھو چکے
تھے اور میرے خیال میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا

ان میں سے ایک اٹھا اور ایک ایسی آواز کے ساتھ جو سمند
کی گراٹھیل میں سے بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس نے کہا
زندگی محبت کے بنیر ایک درخت ہے جس میں کوئی پھول یا
پھل نہ ہو

محبت حسن کے بنیر ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہ ہو
وہ پھل ہے جس میں کوئی بیج نہ ہو

زندگی محبت اور حسن ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں
آزاد اور لامحدود

جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں“
 اُس نے یہ کہا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا
 پھر دوسرا اٹھا اور ایسی آواز کے ساتھ کہ جس میں پرشور موجوں کی گھج
 تھی اس نے کہا

زندگی انقلاب کے بغیر ان مضمون کی طرح ہے جن میں کبھی بہا نہ لے
 انقلاب صداقت کے بغیر وہ ندی ہے جو ایک خشک اور بخر
 صحرا میں بہا کرے

زندگی انقلاب اور صداقت ایک عنصر کی تین ماہیتیں ہیں
 جو نہ کبھی بدلتی ہیں اور نہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں
 اس نے یہ کہا اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا
 پھر تیسرا اٹھا اور بجلی کی کڑکتی ہوئی آواز میں کہا
 زندگی آزادی کے بغیر ایک جسد بے رُوح ہے
 آزادی حکمت و دانش کے بغیر ایک پریشان رُوح ہے
 زندگی آزادی اور حکمت ایک ابدی عنصر کی تین ماہیتیں ہیں
 جو کبھی فنا نہیں ہوتیں
 پھر وہ تینوں اُٹھے اور نہایت رُعب و جلال سے گویا سونے
 محبت اور جو کچھ اس سے صادر ہو

انقلاب اور جو کچھ وہ پیدا کرے
 آزادی اور جو کچھ اس سے معترض اظہار میں آئے
 یہ ذاتِ کبریائی کے تین منظر ہیں
 ذاتِ کبریائی وہ لامحدود ہستی ہے جو نفسیات اور کونین مکان
 کو محیط سے

پھر سناٹا چھا گیا جس میں نا دیدہ پروں کی جنبش اور مہم جویم جسموں
 کی لہر تاش محسوس ہوتی تھی
 میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس آواز کی صدائے بازگشت
 کو سننے لگا جو میں نے ابھی سنی تھی
 پھر جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کمر کے دامن میں لیٹے ہوئے
 سمندر کے سوا مجھے اور کچھ بھی دکھائی نہ دیا
 میں اس چٹان کے اور بھی قریب گیا لیکن مجھے آسمان کی طرف
 اُڑتے ہوئے دھوئیں کے ستون کے سوا اور کچھ بھی نظر نہ آیا

میرے دل نے کہا

میرے دل نے کہا کہ میں ان چیزوں سے محبت کروں۔ جن سے
دوسرے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں سے دوستی پیدا کروں
جنہیں دنیا ملامت کرتی ہے

میرے دل نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی۔ کہ محبت صرف
عاشق کا مرتبہ ہی نہیں بڑھائی۔ بلکہ محبوب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ
کرتی ہے

اس سے پہلے محبت میرے لیے ایک دھماکا تھا جو دو کیلوں کے
درمیان کس دیا گیا ہو

اور اب یہ ایک ہالہ بن چکا ہے جس کی ابتدا اس کی انتہا ہے
اور اس کی ابتدا تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور
پھیل کر مستقبل کی ہر ایک چیز کے لپیٹ میں لینے والی ہے

میرے دل نے مجھے یہ گاہ کیا۔ اور نصیحت کی کہ صورت و رنگ کے

پر دوس میں حُسن کو تلاش کروں
 ہاں۔ میرے دل نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ہر اس چیز پر
 اپنی نگاہیں جمادوں جو بدنا خیال کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ خوبصورت
 نظر آنے لگے

اس سے پہلے مجھے حُسن دھوئیں کے ستونوں کے مابین ایک
 جھلملاتی ہوئی شمع دکھائی دیتا تھا
 مگر اب دھواں غائب ہو چکا ہے اور اب میں شمع کی لہ کے
 سوا اور کچھ نہیں دیکھتا

میرے دل نے کہا۔ کہ میں ان آوازوں کو سنوں۔ جو نہ حلق سے
 بلند ہوتی ہیں اور نہ زبان سے
 اس سے پہلے میری سماعت مجھ پر گراں تھی اور مجھے شور و غل
 کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا
 لیکن اب مجھے سکوت میں جذب ہونے کا شعور پیدا ہو گیا ہے
 اور اب میں اس کے مقدس مننیوں کے وہ نغمے سن سکتا ہوں
 جو وہ ازمنہ ماضیہ کی یاد میں گاتے ہیں
 اور ابریت کے راز بے نقاب کرتے ہیں

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا اور نصیحت کی۔ کہ میں اپنی پیاس اس
 شراب سے بجھاؤں
 جو پیانوں میں نہ ڈالی جائے
 جسے ہاتھوں سے نہ اٹھایا جائے
 اور نہ ہونٹوں سے چھو آجائے
 اس دن تک میری پیاس راکھ میں چھپی ہوئی ایک چنگاری کی طرح
 تھی جسے کسی چشمہ کے ذرا سے پھینٹنے سے بجھایا جاسکتا ہو لیکن اب
 میرا والہانہ جذبہ ایک پیالہ بن چکا ہے
 محبت میری شراب بن چکی ہے اور تنہائی میرا سماں نشاط۔

میرے دل نے کہا۔ کہ میں ایک نادیدہ چیز کی تلاش کروں
 اور اُس نے مجھے بتایا۔ کہ ہم جس چیز کو اپنے قبضے میں لانا چاہتے
 ہیں۔ اسے ہم محبت کرتے ہیں
 اس سے پہلے میں جاڑے کے موسم میں گرمی اور گرمیوں کے موسم
 میں ٹھنڈک سے مطمئن تھا
 لیکن اب میری انگلیاں کبر کے مانند بن چکی ہیں اور ان چیزوں کو
 جو ان کی گرفت میں ہیں نیچے گرنے دیتی ہیں اور اس نادیدہ چیز کے ساتھ

ملنے دیتی ہیں جس کا میں اب متہمتی ہوں
میرے دل نے کہا۔ کہ میں ایک ایسے پودے کی خوشبو نہ بگھوں
جس کی نہ جڑ ہے نہ پھول اور نہ ڈالی۔ اور جسے کسی آنکھ نے نہیں
دیکھا۔

اس سے پہلے میں سرسبز باغوں میں بھینبی بھینتی خوشبو رکھنے
والے پودوں کے پھول دانوں اور عطریات کے ظروف ہیں نکمت
تلاش کیا کرتا تھا۔ لیکن اب میں صرف اس لوبان سے واقف ہوں۔
جسے شاید نہ جلا یا جاسکے۔ اور اب میں اس سے کہیں زیادہ نکمت نہ گھننا
ہوں۔ جو دنیا بھر کے باغوں اور خوشبو سے لسی ہوئی ہواؤں سے زیادہ
تیز ہے۔

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ کہ جب کہیں سے انجانی اور من چلی
پکار آئے۔ تو میں اس پر لبیک کہوں
اس سے پہلے میں نے صرف منڈی میں آواز لگانے والے بساطیوں
کی آواز کے سوا کسی کو جواب نہیں دیا تھا۔ اور پامل راستوں کے سوا
کسی اور راستے پر نہ چلا تھا
لیکن اب جانی بوجھی چیز مجھے سواری کا کام دیتی ہے۔ تاکہ میں

اُن بوجھی دنیا کی طرف روانہ ہو جاؤں
اور راستہ ایک زینہ بن چکا ہے جس سے میں ایک پُرخطر پہاڑ
کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہوں۔

میرے دل نے کہا۔ کہ میں وقت کو اس مقدر سے جانچوں کہ
اس سے پہلے کا زمانہ دیروز تھا۔ اور مستقبل ایک فردا ہو گا
اس وقت تک میں ماضی کو ایک گزرا ہوا زمانہ خیال کیا کرتا تھا،
جو بالکل بھلا یا جا چکا ہے۔ اور مستقبل کو ایک ایسا دور خیال کرتا تھا
جس تک میں کبھی نہ پہنچ سکوں گا

لیکن اب مجھے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ دورِ حاضر کی قلیل سیس میں
کل وقت اور اس کا حاصل جمع ہو جاتا ہے

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ کہ میں زمان و مکان کا اسیر نہیں۔ اب
بہک میں اپنے پہاڑ پر کھڑا تھا۔ اور دوسرے پہاڑ مجھے بہت ہی دور
معلوم ہونے لگے

لیکن اب میں جانتا ہوں۔ کہ میں جس پہاڑ پر کھڑا ہوں۔ اس میں
تمام پہاڑ شامل ہیں
اور جس وادی سے میں گنتا ہوں۔ وہ تمام وادیوں پر مشتمل ہے۔

میرے دل نے مجھ سے کہا۔ کہ جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں
تو میں پہرہ دوں

اور جب وہ جاگتے ہوں۔ تب میں محوِ خواب ہو جاؤں
کیونکہ میں عمر بھر ان لوگوں کے خواب نہ دیکھ سکا۔ اور نہ انہوں
نے میرے خواب دیکھے۔

لیکن اب میرے خواب دن کے وقت پیدا ہوتے ہیں
اور جب وہ سوتے ہیں تو میں انہیں رات کی فضا میں آزاد دیکھتا
ہوں۔ اور ان کی آزادی پر خوش ہوتا ہوں

میرے دل نے کہا۔ کہ میں زیادہ تدریف سے خود پسند اور علامت
کے خوف سے آرزوہ خاطر نہ ہوں

اس دن تک مجھے اپنی صنعت گری کے متعلق شبہ تھا
لیکن اب مجھے یہ پتہ چلا ہے

کہ درخت موسم بہار میں شگوفے پیدا کرتے ہیں
گر میوں کے موسم میں پھل لاتے ہیں اور خزاں میں اپنے پتے
را کر سردیوں میں بالکل عریاں ہو جاتے ہیں
اور ان کے دل ہل، نہ مہرت سدا ہوتے سے اور نہ خوف اولتہ مر۔

میرے دل نے مجھے کہا۔ کہ نہ میں بونوں سے زیادہ قد آور ہوں
اور نہ دیوؤں سے زیادہ پست۔

اس سے پہلے مجھے نوری انسان دو گروہوں میں دکھائی دیتی تھی
ایک ناتواں جسے میں خفارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور ان پرترس
کھاتا تھا۔

اور دوسرے طاقتور انسان جن کی یا تو اطاعت کرتا تھا۔ یا ان
کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا تھا۔

لیکن اب میں جانتا ہوں۔ کہ میں بھی اسی مٹی سے بنا ہوں جس
سے دوسرے لوگ بنے ہیں

میرے جسم کے ترکیبی عناصر ان کے ترکیبی عناصر ہیں۔

اور میرا ضمیر ان کا ضمیر ہے
میرا کشمکش ان کی کشمکش ہے

اور میری روش ان کی روش ہے

اور اگر وہ نیکی کے کام کرتے ہیں۔ تو میں بھی اس نیکی میں ان کا

شریک ہوں

اگر وہ اٹھتے ہیں تو میں بھی اٹھتا ہوں۔

اور اگر وہ بیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو میں بھی ان کے ساتھ

ہوتا ہوں -

میرے دل نے مجھے آگاہ کیا۔ کہ جو روشنی میرے اندر ہے وہ
 بڑی اپنی روشنی نہیں اور میرے گیتوں کی پیدائش میرے سینے میں
 نہیں ہوئی

اگرچہ میں مشعل لے کر سفر کر رہا ہوں۔ لیکن میں روشنی نہیں ہوں۔
 اور اگرچہ میں کسے ہوئے تاروں کا ایک ربط ہوں۔ لیکن میں

ربط نواز نہیں ہوں

میرے دل نے مجھے ہدایت دی اور روشنی عطا کی
 اور اکثر اوقات تمہارے دل نے بھی تمہیں ہدایت کی ہو۔

اور تمہارے سینوں میں بھی اُجالا پیدا کیا ہو

کیونکہ تم بھی میری طرح ہو۔ اور مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں
 سوائے اس کے کہ میں صرف اپنے باطن کے انہیں الفاظ کا ذکر کرتا ہوں

جنہیں میں نے غائبی کے عالم میں سنا ہے

اور تم اسے اپنے سینوں میں ضبط رکھتے ہو

اور تمہارا ضبط اتنا ہی اچھا ہے

جتنی میری گویائی -

سال گرہ

جس دن میری ماں نے مجھے جنم دیا ہے

اس دن —

آج سے ۲۵ برس پہلے سکوت نے مجھے زندگی کے وسیع

ہاتھوں کے سپرد کیا

جو پیکار اور کشمکش سے مہمور ہے

دیکھو

میں نے ۲۵ دفعہ سورج کے گرد چکر لگایا ہے۔ لیکن معلوم

نہیں چاند نے میرے گرد کتنی بار گردش کی ہے

مگر میں یہ جانتا ہوں۔ کہ میں نے ابھی تک اُجالے کا بھید نہیں پایا

اور نہ میں انا بھیرے کاراز معلوم کر سکا ہوں۔

میں ۲۵ دفعہ زمین۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کے ساتھ گانا

کے گرد گھوما ہوں

دیکھو

اب میری روح کائناتی نظاموں کا نظم لیتی ہے
بعینہ اس طرح جس طرح غار سمندر کی موجوں کے تلاطم سے گونجتے

ہیں — !
کیونکہ روح کائنات کے سینہ میں ایک لہر بن کر رواں دواں ہوتے
لیکن اسے اپنی قوت کا احساس نہیں

وہ مدہم اور پتیم سروں میں اپنا عالمگیر راگ گاتی ہے۔ لیکن اس
کا آہنگ ابھی تک نا تمام ہے

آج سے ۲۵ برس پہلے مادرِ آیام نے میرا نام اس عجیب اور مہیب
زندگی کے دفتر میں لکھ دیا

دیکھو

میں صرف ایک لفظ ہوں۔ جو کبھی کچھ بھی نہیں اور کبھی سب کچھ
بھی جاتا ہے۔

ہر سال اس روز میرے دل میں کیا خیالات اور یادیں جمع ہوتی ہیں
بیٹے ہوئے دنوں کا جلوس اور رات کی موہوم شکلوں کا سوانگ
ہرے سامنے آکر دک جاتا ہے۔ پھر کوئی چیز انہیں سمیٹ کر لے جاتی ہے
بعینہ اس طرح جس طرح ہواِ اقی سے بادلوں کو اڑا کر لے جاتی ہے
وہ میرے گھر کی تاریکی میں غائب ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ندیوں

کے ننھے سنسان اور دُور دراز وادیلوں میں گم ہو جاتے ہیں۔
 اس دن ہر سال وہ رُوحیں جنہوں نے میری رُوح کی ساخت کی ہے
 مجھے دنیا کے بعید ترین گوشوں سے ڈھنڈھنے آتی ہیں۔ اور پُرافسوس
 یادیں اور دھیمی دھیمی نوا میں بلند کرتی ہیں پھر وہ رخصت ہو جاتی
 ہیں اور اپنا چہرہ اس اعتباری زندگی کے پیچھے چھپا لیتی ہیں۔ بالکل
 اس طرح جس طرح پرندے اس زمین پر اُترتے ہیں جہاں غلہ کوٹا
 جا رہا ہو۔ اور وہاں کوئی دانہ نہ پا کر کھوڑی کھوڑی دیر میں پر
 پھڑ پھڑاتے ہوئے کسی اور جگہ کو اڑ جاتے ہیں۔

اس دن ماضی کے حقائق میرے سامنے دھندلے آئینے بن کر
 کھڑے ہوتے ہیں۔ جنہیں میں کچھ دیر غور سے دیکھتا ہوں۔ لیکن
 مجھے لیل و نہار کے زرد چہروں کے سوا اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا
 اور مدت کی بھولی بسری امیدوں اور خوابوں کے مڑھائے ہوئے
 ملبوس چہرے کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔

میں پھر ان آئینوں پر نظر ڈالتا ہوں اور ان میں اپنا ماضی چہرہ
 دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے افسردگی کے سوا اور کچھ نظر نہیں دیتا۔

میں اس افسردگی سے سوال کرتا ہوں۔ لیکن یہ کوئی جواب نہیں دیتی۔
 پھر بھی میرا خیال ہے۔ کہ اگر وہ کلام کر سکتی۔ تو اس کی آواز

مسترت سے زیادہ دلنشین ہوتی۔

میں نے ۲۵ برس بہت کچھ محبت بھی کی ہے۔ اور میں نے اکثر ان چیزوں سے چاہ پیدا کی ہے۔ جنہیں دوسرے لوگ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

لیکن جن چیزوں کو میں بچپن میں چاہتا تھا۔ انہیں اب بھی چاہتا ہوں۔ اور جنہیں اب چاہتا ہوں ان کے ساتھ آخری دم تک محبت کروں گا۔

کیونکہ میرے دل میں محبت ہے۔ اور کوئی طاقت مجھے اس سے جدا نہیں کر سکتی۔

میں نے بسا اوقات موت سے بھی محبت کی ہے۔ اور اسے پیارے ناموں سے پکارا ہے۔ اور اسے جلوت اور خلوت میں محبت بھرے الفاظ میں یاد کیا ہے۔

لیکن میں موت سے وفاداری کی قسموں کو نہیں بھولا۔ اور یہی انہیں توڑا ہے۔

میں نے زندگی کے ساتھ بھی پیان و فاباندھا ہے۔

کیونکہ موت اور زندگی میرے لئے حسن اور مسترت میں برابر ہیں۔ انہوں نے میری امیدوں اور تمناؤں کی نشوونما میں برابر حصہ

لیا ہے۔ اور میری محبت اور شفقت کو مساوی طور پر تقسیم کیا ہے۔
 میں نے آزادی سے بھی محبت کی ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح
 زندگی اور موت سے۔ اور جوں جوں میری محبت نمودار ہوئی
 گئی توں توں میری سوجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا گیا۔ کہ انسان استبداد
 اور کبیجہ پروری کی زنجیروں میں کس قدر جکڑا ہوا ہے۔
 میں نے کچھ عرصہ ان سنتوں کو دیکھا۔ جو ازمنہ قدیم میں تراشے
 گئے۔

جہالت میں پروان چڑھے۔

اور غلاموں کے ہونٹوں سے صیقل ہوئے۔

لیکن اس کے باوجود مجھے ان غلاموں سے اسی قدر محبت رہی
 ہے۔ جس قدر آزاد انسانوں سے۔ اور میں انہیں چھٹم کرم سے
 دیکھتا رہا۔

کیونکہ وہ بے بصر انسان ہیں۔ جو مکہ وہ اور خو خوار جانوروں
 کے جبروں کو چومتے ہیں۔ اور نہیں دیکھتے۔
 وہ نہ ہلے سانپوں کی بس چوستے ہیں۔ اور اُسے محسوس نہیں کرتے
 وہ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودتے ہیں اور نہیں جانتے۔
 مجھے آزادی سے بھی محبت رہی ہے۔

آزادی میری نظروں میں ایک دو شیزہ ہے۔ جو دکھ اور تنہائی سے اس قدر زار و ناتواں ہو گئی ہے۔ کہ وہ سنسان باز اوروں اور گھروں میں ایک رُوح کی طرح سرگرداں رہتی ہے اور جب وہ لاکھوں کو پکارتی ہے۔ تو وہ نہ اس کی بات سنتے ہیں۔ اور نہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں۔

ان ۲۵ برسوں میں دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی شادمانی سے محبت رہی ہے۔

میں نے بھی ان کی طرح صبح سویرے اٹھ کر مسرت کی تلاش کی ہے۔ لیکن میں نے کبھی اسے رگھذرمیں نہیں پایا۔ اور نہ اُر کی عبادت گاہوں کے درتچوں سے اس کے گلابانگ کی صدائے بازگشت سنی ہے۔

میں نے اپنی رُوح کو اپنے کان میں یہ کہتے ہوئے سنا
 ”مسرت ایک دو شیزہ ہے۔ جو دل کے قلعے میں پیدا ہوتی
 ہے۔ وہیں پہ وان چڑھتی ہے اور اس چار دیواری سے باہر
 کبھی نہیں آتی۔“

لیکن جب میں نے اپنے دل کا دروازہ کھول کر اسے تلاش کیا تو میں نے اس میں اس کا آئینہ اور بستر اور ملبوسات دیکھے پر

اس کا اپنا نشان کہیں بھی نہ پایا۔
مجھے بنی آدم سے بھی محبت رہی ہے۔ اور مجھے اپنے ہم جنسوں
سے بھی پیار رہا ہے۔

میری رائے میں انسان تین قسم کے ہیں۔
ایک وہ جو زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں۔
دوسرے وہ جو اسے نعمتِ عظمیٰ ان خیال کرتے ہیں۔
تیسرے وہ جو اس پر سوچ بچار کرتے ہیں۔
میں پہلی قسم کے انسانوں سے ان کی دردناک حالت۔
دوسری قسم کے انسانوں سے ان کی نیک منشی۔
اور تیسری قسم کے انسانوں سے ان کی دانشمندی کے لئے محبت
کرتا ہوں۔

اس طرح میری عمر کے ۲۵ سال گزر گئے۔ اور میرے دن اور
راتیں زندگی کے راستے پر ایک دوسرے کا پیچھا کرتے رہے۔ بالکل
اس طرح جس طرح درختوں کے پتے موسمِ خزاں کی تند ہواؤں کے
سامنے بکھر جاتے ہیں۔

اور آج میں ان کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔ جس طرح پہاڑ پر چڑھنے
والا تھکا ماندہ مسافر چوٹی سے نصف فاصلہ پر رک جاتا ہے۔

اور میں اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا ہوں۔ لیکن مجھے کہیں بھی کوئی خزانہ نظر نہیں آتا۔ جس کے متعلق میں دعویٰ کر سکوں کہ یہ میل ہے۔

نہ مجھے اپنی زندگی کے موسموں میں سفید کاغذ اور کینوس کے سوا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ جن پر میں سیاہ روشنائی سے حروف لکھتا ہوں۔ یا ہم آہنگ یا غیر ہم آہنگ خطوں اور رنگوں سے عجیب و غریب و دنیا مکمل تصویریں بنا تا رہا ہوں۔

ان نقوش میں میں نے اس حُسن اور آزادی کو دفن کیا ہے۔

میں کامیابی نے اپنے تخیل یا عالمِ خواب میں تصور کیا۔ جس طرح ایک مکان جو کھیت کی لیکوں میں بیج بونے جاتا ہے۔ اور شام کو اپنے دل میں صد ہا امیدیں اور توقعات لئے اپنے گھر واپس آتا ہے۔

لیکن اگرچہ میں نے اپنے دل کے بیج بہت اہتمام سے بوئے ہیں۔ پھر بھی نہ مجھے کوئی امید ہے اور نہ کوئی توقع۔

اور اب جبکہ میں اپنی زندگی کی اس منزل میں پہنچ چکا ہوں۔

مجھے زمانہ ماضی آہوں اور غموں کی دُھند کے پیچھے چھپا ہوا معلوم ہے۔ اور مستقبل ماضی کے پردے میں سے آشکارا ہوتا ہے۔

میں اپنے چھوٹے سے درنیچے کے پاس کھڑا ہو کر زندگی پر نظر

ڈالت ہوں۔ اور لوگوں کے چہروں کو دیکھتا ہوں۔ اور ان کی آوازوں کو
آسمان کی طرف بلند ہوتے ہوئے سنتا ہوں۔

مجھے ان کے پاؤں کی چاپ سناٹی دیتی ہے۔ اور میں ان کی رُحوں
کے ملاپ۔

ان کی آرزوؤں کے بیجان اور دل کی اُمنگوں کا نظارہ دیکھتا ہوں۔
میں اس درپچے میں سے بچوں کو ایک دوسرے پر دھول پھینکتے،
کھلکھلا کر ہنستے، اور چلاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میں لڑکوں کو اپنے چہرے اُوپر اُٹھائے دیکھتا ہوں۔ گویا وہ
شباب کی تعریف میں قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ جو بادلوں کے کناروں
پر مرقوم ہے۔ اور سورج کی بصارت افزا روشنی سے منور ہے۔
میں نوخیز لڑکیوں کو درختوں کی ٹہنیوں کی طرح ادھر ادھر جھومتے۔
پھولوں کی طرح مسکراتے۔

اور محبت اور اشتیاق کی شدت سے تھر تھراتے ہوئے کنکھوں
سے رستِ شباب نو جوانوں کو جھانکتے دیکھتا ہوں۔

میں معمر انسانوں کو اپنے عصاؤں کا سہارا لئے اور زمین پر نظری
گاڑے اپنی خم شستہ کمر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے دیکھتا ہوں۔ گویا
ان کی دھندلی آنکھیں خاک میں کسی گم شدہ چمک دار ہیرے کی

تلاش کرتی ہوں۔

میں درتچکے پاس کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اور ان تمام انسانوں کو
شہر میں ادھر ادھر چلتے پھرتے دیکھتا ہوں۔

پھر میں شہر سے ادھر غیر آباد جگہ نظر ڈالتا ہوں۔ اور میں اس
کے پر جلالِ حُسن، بلند ٹیلے۔

چھوٹی چھوٹی وادیاں۔

پھیلے ہوئے پودے۔

کانپتی ہوئی گھاس۔

خوشبو سے لہرے ہوئے پھول۔

گنگناتے ہوئے دریا

گاتے ہوئے وحشی کچھیر اور دھیبی کے میں گاتی ہوئی پردار

مخلوق کو دیکھتا ہوں۔

میں ویرانے سے پرے جھانک کر دیکھتا ہوں۔ تو مجھے سمندر

بے پایاں تیز، مبہوت کن اسرار اور مستور خزانوں سے مملو نظر آتا ہے۔

میں اس کے چہرے پر وہ تمام آثار دیکھتا ہوں۔ جزند غضبناک،

کف برباد اور طوفانی پانیوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔

اور میں وہ جھاگ دیکھتا ہوں۔ جو اس کی سطح پر بلند ہوتی ہے۔

اور وہ بخارات دیکھتا ہوں جو بلندیوں سے نیچے اترتے ہیں۔
میں سمندر سے پرے آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں۔ تو مجھے فضا کی
بیکراں پہنائی۔

متحرک دنیا میں۔

اجرام فلکی کے جھرمٹ۔

سورج چاند

اور ثابت و سیارہ سارے نظر آتے ہیں۔

اور مجھے ان قوتوں کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ جو ایک دوسرے
کو کھینچتی یا رد کرتی ہیں۔

میں عناصر کی کشمکش کو دیکھتا ہوں۔ جو تخلیق کرتے اور بدلتے ہیں
اور اُس کے باوجود ایک عالمگیر قانون کی زنجیر میں گرفتار ہیں جس کی
نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔

میں ان چیزوں کو اپنے چھوٹے سے درتپکے میں سے دیکھنا
ہوں۔ اور اپنی عمر کے گذشتہ ۲۵ برس بھول جاتا ہوں۔
اور ازمنہ قدیم کو اور آنے والے زمانوں کو بھی۔

تب میری زندگی اپنے تمام اسرار اور حقائق کے ساتھ ایک
بچے کی سسکی معلوم ہوتی ہے۔ جو ابدی گہرائیوں اور بلندیوں کے

ماہی کا پتی ہے۔

لیکن یہ ذرہ ————— یہ ہستی ————— جسے میں
خود ہی کہتا ہوں۔

ہر وقت ایک آشوب اور ہنگامہ برپا رکھتی ہے۔ یہ اپنے پروں
کو آسمان کی وسیع پہنائیوں کی طرف بلند کرتی ہے۔

اپنے ہاتھ دُتیا کے تمام گوشوں کی طرف پھیلاتی ہے۔ اور اس
کا جسم زمانہ کی نوک پر تلاکھڑا ہے۔ جس نے اسے زندگی بخشی۔

تب دیارِ قدس کی لاہوتی فضا سے جہاں یہ زندہ شرارِ مقیم ہے۔
ایک آواز چپکار چپکار کر کہتی ہے :-

”اے زندگی تجھ پر رحمت ہو۔“

اے بیداری تجھ پر رحمت ہو۔“

اے شعورِ ذات تجھ پر رحمت ہو۔“

اے دن تجھ پر رحمت ہو۔ جس کے بے پایاں نور نے کائنات کی

تاریکی کو گھیر رکھا ہے۔

اے رات تجھ پر رحمت ہو۔ جس کی تاریکی سے آسمانی نور کا

پتہ چلنا ہے۔

اے بہار تجھ پر رحمت ہو۔ جو زمین کو شبابِ تازہ عطا

کہتی ہے۔

اے موسمِ گرما تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو آفتاب کے جہاں و جلال
میں اضافہ کرتا ہے۔

اے خزاں تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو محنت کا پھیل اور مشقت کا
نزع عطا کرتی ہے۔

اے سرما تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو طوفانوں سے قدرت کی مٹی
ہوئی قوت کو جلا دیتی ہے۔

اے دُورِ زماں تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو لیل و نہار کے مستور
خزانوں کا انکشاف کرتا ہے۔

اے رُوحِ تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو زندگی کی عنان کو جسے
سُورج ہماری نظروں سے چھپائے رکھتا ہے۔ نہایت خوش اسلوبی
سے تھامے رکھتی ہے۔

اے دلِ تجھ پر رحمت ہو۔ کیونکہ تو غم کے طوفان میں غرق ہونے
کے باوجود امن و صلح کا حدیٰ خواں ہے۔

اے ہونٹو۔ تم پر رحمت ہو۔ کیونکہ تم تلخ گھونٹ پیتے ہوئے
جی صلح کل کا نام لیتے ہو۔

معبود کے دروازے پر

میں نے اپنے ہونٹ مقدس آگ سے پاک کئے۔ تاکہ میں محبت کے متعلق کلام کروں۔

لیکن جب میں نے اپنے ہونٹ کھولے۔ تو میں کوئی بات نہ کر سکا۔

جب میں محبت سے نا آشنا تھا۔ تو میں محبت کے گیت گایا کرتا تھا۔

لیکن جب میں محبت سے آشنا ہوا۔ تو الفاظ میرے منہ میں موج ہو این کر رہ گئے۔ اور وہ نغمے جو میرے سینے میں بیتاب تھے سکوت ہی میں غرق ہو کر رہ گئے۔

اس سے پہلے اگر تم مجھ سے محبت کے اسرار و رموز کے متعلق سوال کرتے۔ تو میں تمہیں پورے یقین کے ساتھ جواب دیتا۔

مگر اب جب کہ محبت نے مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیا ہے۔ میں تمہارے سامنے آتا ہوں۔ تاکہ تم سے محبت کے طور و طریق اور

اس کے اسرار کے متعلق استفسار کروں۔

تم میں سے کون ہے۔ جو میرے سوالات کا جواب دے؟
میں تم سے اپنے اور اس چیز کے متعلق جو میرے سینے میں ہے
پوچھنے آیا ہوں۔

تم میں سے کون ہے۔ جو میرے مافی الضمیر کو میرے دل اور
میرے نفس کو میرے شعور پر ظاہر کرے۔

اب مجھے بتاؤ۔ کہ میرے سینے میں یہ کیسی آگ جل رہی ہے؟
جس نے میری قوت زائل کر دی ہے۔ اور میری اُمیدوں اور آرزوؤں
کو جلا کر راکھ کر دیا ہے؟

یہ کس کے نرم و نازک۔ پیارے اور خوشنما ہاتھ ہیں۔ جو میری
رُوح کو تنہائی کے لمحوں میں اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں۔ اور میرے
دل کے سانچے میں مسرت کی تلخی اور درد کی مٹھاس کی ملی جلی شراب
انڈیل دیتے ہیں۔

یہ کیسے شاہ پر ہیں۔ جو رات کے بے پایاں سکوت میں میرے
بستر کے گرد پھڑپھڑا رہے ہیں۔ جن کی جنبش سے میں رات بھر بیدار
رہتا ہوں۔ اور معلوم نہیں کس کا انتظار کرتا ہوں۔

میں اس آواز کی طرف دھیان دیتا ہوں۔ جسے میں سننے سے

قاصر ہوں۔

اور جو نظر نہیں آتا۔ اسے دیکھ رہا ہوں۔
 اور جسے ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق غور و فکر کرتا ہوں۔
 رات ہے اور مجھے نیند نہیں آتی۔

میں لمبی آہیں بھرتا ہوں۔ کیونکہ میرے لئے آپس اور نالے
 مسکراہٹوں اور قہقہوں سے کہیں زیادہ خوش آئند ہیں۔

میں ایک نامعلوم قوت کی گرفت میں ہوں۔ جو مجھے ہر لمحہ ذبح
 کرتی ہے اور پھر جلاتی ہے۔ یہاں تک کہ صبح اُفتی مشرق پر طلوع
 ہوتی ہے۔ اور میرے رین بسیرے کو نڈر سے بھرتی ہے۔ پھر
 میں سو جاتا ہوں۔ لیکن میری تھکی ہوئی پلکوں میں شب بیداری کے
 سائے لہراتے رہتے ہیں۔ اور میرے سنگین بستر کے گرد ایک سپنا
 گھومتا رہتا ہے۔

تو پھر یہ شے جسے ہم محبت کہتے ہیں۔ کیا ہے ؟
 مجھے بتاؤ۔ ہمارے اس پر چھائیں سی زندگی کی تہ میں
 کیا راز ہے۔ جو انسانی وجود کے قلب و رُوح میں جاگزیں ہے ؟
 یہ عظیم الشان آزادی کیا ہے۔ جو تمام اسباب کی علت اور
 تمام علل کا سبب ہے ؟

یہ قوت کیا ہے۔ جو موت اور زندگی کو آپس میں مجتمع کرتی ہے۔
 اور ان سے ایک ایسا خواب پیدا کرتی ہے۔ جو زندگی سے بھی زیادہ
 عجیب اور موت سے بھی زیادہ عمیق ہے؟

میرے بھائیو! — بتاؤ۔ جب محبت کی سفید انگلیاں
 تمہاری رُوح کو مس کریں گی۔ تو تم میں سے کون ہے۔ جو زندگی کے
 اس رنگین خواب سے جاگ نہ اٹھے گا؟

تم میں سے کون ہے۔ جو اپنے ماں باپ اور وطن کو خیر باد
 نہ کہے گا۔ جب تمہاری محبوبہ تمہیں اپنی طرف بلائے —؟
 تم میں سے کون ہے۔ جو اس محبوبہ کی تلاش میں جس کے لئے
 تمہاری رُوح بے قرار ہے۔ صحراؤں کو عبور نہ کرے۔ پہاڑوں کی
 چوٹیوں پر سے نہ گزر جائے۔ اور سمندروں کی طوفانی موجوں کے
 سامنے سینہ سپر نہ ہو!

وہ کونسا نوجوان ہے۔ جو دنیا کے انتہائی کنارے تک نہ پہنچے۔
 جب وہاں ایک ایسی ساحرہ اس کی منتظر ہو۔ جس کی سانس — آواز
 اور لمس میں ایک لطیف رس اور رُوح افروز کیفیت مضمر ہے۔
 کون ہے جو اپنی رُوح کو اس دیوی کے آسمانی شعلے پر لوبان
 کے طور پر نہ جلائے جو اس کی دعاؤں کو مستجاب اور اس کی آرزوؤں

کو پورا کرتی ہے۔

ابھی کل ہی میں ایک معبد کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اور تمام راہگیروں سے محبت کے بھیدوں اور اسرار کے متعلق سوال کر رہا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر شخص گزرا۔ اور اُس نے ماتھے پر تیرہ چڑھا کر کہا۔
”محبت ایک جیلی کزوری ہے جسے ہم نے ابوالبشر
سے وراثت کے طور پر حاصل کیا“

پھر ایک مضبوط اور وحیہ جوان جس کے بازوؤں میں دیوتاؤں
کی سی توانائی تھی۔ یہ ترانا گاتا ہوا گزرا :-

”محبت ایک عزم ہے۔ جو ہماری زندگی کا ہم رکاب

ہے۔ اور ماضی کو مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔“

اور اس کے بعد ایک تمگیں عورت آہیں بھرتی ہوئی گزری
اور اُس نے کہا :-

”محبت وہ زہر ہے۔ جسے خوفناک سانپ جہنم کی

گہرائیوں سے اس فضا میں اُگلنے ہیں اور یہ زہر بیاسی

رُوحوں پر برس کر انہیں کچھ دیر کے لئے محمور بنا دیتا ہے

اور پھر وہ کچھ دیر سنبھل کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود
ہو جاتی ہیں۔“

پھر ایک نوجوان لڑکی جس کا چہرہ پھول کی طرح سُرخ تھا
مُسکراتی ہوئی آئی اور کہنے لگی :-

”محبت ایک امرت ہے۔ جسے صبح کی دہلیزیں
شہ زور مردوں کے لئے برساتی ہیں۔ تاکہ رات کو سنا رہے
ان کے سامنے سرنگوں ہوں۔ اور دن کا آفتاب انہیں
شاداں رکھے۔“

اس کے بعد ایک شخص آیا۔ جو سیاہ لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور
اس کی لمبی داڑھی اس کی چھاتی پر بکھری ہوئی تھی اُس نے بے حد
منانت آمیز لہجہ میں کہا :-

”محبت ایک نادانی ہے۔ جو شباب کی صبح کے
ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ اور شام کے ساتھ رخصت ہو
جاتی ہے۔“

اس کے پیچھے ایک اور شخص آیا۔ جس کا نکھرا ہوا چہرہ تمنا رہا
تھا۔ اُس نے بہت سکون اور اطمینان کے بعد یہ ترانہ بلند کیا :-
”محبت ایک آسمانی حکمت ہے۔ جو ظاہر کی آنکھ اور

دل کی آنکھ کو زندگی سمجھتی ہے۔ تاکہ ہم ہر چیز کو دیکھ سکیں اور اس نے
کی طرح دیکھنے لگ جائیں۔“

پھر ایک اندھانہ مین پر اپنی لاکھی بیگنا ہوا آیا۔ اور اس نے
ن طرح آواز بلند کی۔ گویا فریاد کر رہا ہو۔

”محبت ایک کثیف دھند ہے۔ جو رُوح کو ڈھانپ

دیتی ہے۔ اور زندگی کے مناظر کو اس کی نظروں سے چھپا دیتی

ہے۔ جس کے سبب وہ پیٹھ پی چٹانوں میں گم ہو کر اپنی

آرزوؤں کے سایوں کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھتی۔ اور

دشت و بربادی کی وادیوں سے اپنی آواز کے سوائے اور

کسی چیز کی صدائے بازگشت نہیں سنتی۔“

پھر ایک نوجوان رُباب بجاتا ہوا گزرا اور اس کے ہونٹوں پر یہ

لکھا تھا:-

”محبت ایک آسمانی نور ہے۔ جو دل کی تہ سے بلند ہو کر

گھر و پیش کی تمام چیزوں کو منور کرتا ہے۔ تاکہ رُوح تمام

لہنیوں کا اس طرح نظارہ کرے گویا اس کے سامنے رنگین

سبز زاروں پر ایک جلوس گزر رہا ہے اور زندگی ایک بیداری

ورد و سری بیداری کے ماہینِ حُسن و جمال کا ایک مہمانِ خواب ہے۔“

اور اس نوجوان کے بعد ایک ضعیف انسان لڑکھڑاتا اور کانپتا
ہوا آیا۔ اور کہنے لگا:-

”محبت ایک کمزور و ناتواں جسم کا وہ سکون ہے۔
جو اسے ایک خاموش مرقد میں حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ
پناہ ہے۔ جو اسے حیات بعد الموت کے حصار میں نصیب
ہوتی ہے۔“

پھر ایک پانچ سال کا بچہ آیا۔ اور اس نے تیزی سے دوڑتے
ہوئے بلند آواز میں کہا:-

”محبت میری ماں ہے۔ اور محبت میرا باپ ہے۔
اور میرے ماں باپ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کہ محبت کیا ہے۔“
اب دن ختم ہو چکا تھا۔ اور تمام لوگ معبد کے سامنے سے گزر
چکے تھے۔ ان لوگوں نے محبت کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا۔
انہوں نے اپنی اپنی انگوں اور زوں کا ذکر کیا۔ اور زندگی کے سربستہ
راز آشکار کئے۔

شام کا دھند لکا چھا جانے پر تمام لوگ اپنی اپنی راہ پر چلے گئے۔
ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ تو میں نے معبد میں سے ایک آواز سنی:-
زندگی دو چیزوں کا نام ہے

ایک منجمد دریا اور دوسری بھڑکتا ہوا شعلہ
بھڑکتا ہوا شعلہ محبت ہے۔

اس وقت میں بھی معبد میں داخل ہوا۔ اور جھک کر زمین پر گھٹنے
ٹیکتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں سے دُعا بلند کی۔

”اے پروردگار مجھے اس بھڑکتے ہوئے شعلہ کی خوراک بنا
اے کارساز مجھے اس مقدس آگ کا امین بنا“

آمین

شاعر

میں اس دُنیا میں ایک جلاوطن ہوں۔
 بے یار و مددگار۔ اور اپنی تنہائی کا ستا یا ہوا
 یہ تنہائی میرے خیالات کو ایک فلسفی اور انجان مملکت کی طرف
 بنائی کرتی ہے۔ اور میرے خوابوں کو ایک دُور دراز آواز آن دیکھے
 لمحے کی چھاؤں سے معمور کر دیتی ہے۔

میں ایک پردہ سی ہوں۔ جو اپنے عزیزوں اور ہم وطنوں سے
 دور ہے۔ اور اگر میں ان میں سے کسی کو ملا۔ تو میں اپنے دل
 ب کہوں گا۔

یہ کون ہے؟ اور میں اسے کہاں ملا ہوں۔
 میرا اس کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ اور میں کیوں اس کے قریب
 بیٹھنا چاہتا ہوں۔

میں خود اپنے آپ سے بیگانہ ہوں۔ اور جب میں اپنی زبان کو
 بولتے ہوئے سُننا ہوں۔ تو میرے کانوں کو میری آواز نا آشنا معلوم ہوتی ہے۔

بعض اوقات میں اپنے دل میں جھانکتا ہوں۔ اور اپنے نفس کو
دیکھتا ہوں۔

ایک چھپے ہوئے نفس کو۔

جو ہنستا ہے اور روتا ہے۔

جرات کرتا ہے اور ڈرتا ہے۔

تب میرا وجود میرے وجود پر تعجب کرتا ہے۔

اور میری رُوح میری اپنی رُوح سے سوال کرتی ہے۔

پھر بھی میں اپنے آپ سے نا آشنا —

کبر میں کھویا ہوا

اور سکوت میں گھرا ہوا ہوں۔

میں اپنے جسم سے بھی بیگانہ ہوں۔ اور جب میں آئینے کے

سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔

تو دیکھو میرے چہرے میں کچھ ایسی بات ہے۔ جو میری توج

نے نہیں دیکھی۔

اور میری آنکھوں میں وہ چیز ہے۔ جو میرے دل کی گہرائی

میں نہیں۔

جب میں شہر کے کوچہ و بازار میں چلتا ہوں۔ تو نپتے میرے

”سچیچے چلاتے ہیں۔ کہ دیکھو۔“

”یہ ایک اندھا ہے۔“

آؤ۔ ہم اسے سہارا لینے کے لئے ایک عصا دیں

اور میں ان سے بھاگ جاتا ہوں۔

مجھے لڑکیوں کا ایک گروہ ملتا ہے۔ اور وہ میرے دامن کے

ساتھ چمٹ کر یہ گیت گاتی ہیں :-

”یہ ایک چٹان کی طرح بہرا ہے

آؤ۔ اس کے کانوں کو عشق و محبت کے نعموں سے بھر دیں“

تو میں ان سے بھی بھاگ اٹھتا ہوں۔

اور جب میں ادھیڑ عمر کے لوگوں کو بازار میں ملتا ہوں۔ تو

وہ میرے گرد اٹھتے ہو کر چلاتے ہیں۔ کہ

”یہ ایک مفرے کی طرح گونگا ہے۔“

آؤ۔ اس کی ٹیڑھی زبان کو سیدھا کریں“

اور میں ان سے ڈر کے مارے جلد گزر جاتا ہوں۔

اور اگر میں عمر رسیدہ انسانوں کے پاس سے گزرتا ہوں۔ تو

وہ اپنی کانپتی ہوئی انگلیوں سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے

کہتے ہیں۔ کہ

یہ وہ پاگل ہے۔ جس کے حواس جنوں اور بھوتوں کے ہاتھوں
مختل ہو چکے ہیں۔

میں اس دنیا میں ایک پردہ سی ہوں۔
کیونکہ میں نے اس زمین پر مشرق سے لے کر مغرب تک سفر
کیا ہے۔ لیکن مجھے کہیں اپنا دیس دکھائی نہیں دیا۔
نہ کوئی شخص مجھے جانتا ہے اور نہ میرے نام سے واقف ہے۔
میں ہر صبح بیدار ہو کر اپنے آپ کو ایک تاریک غار میں مقید
پاتا ہوں۔

جس میں مجھے اُوپر کی طرف سے سانپ ڈراتے ہیں۔ اُوردیواروں
اور فرش رنگتی ہوئی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں۔
جب میں باہر کی روشنی تلاش کرتا ہوں۔ تو میرے سائے میرے
آگے رواں ہوتے ہیں۔

کس طرف؟

یہ مجھے معلوم نہیں۔

وہ اس چیز کی تلاش کرتے ہیں۔ جسے میں نہیں سمجھتا۔
اور ان اشیاء کو گرفت میں لاتے ہیں۔ جن کی مجھے ضرورت نہیں۔

جب شام ہوتی ہے۔ اور میں واپس گھر لوٹ کر اپنے کانسٹوں
اور پروں کے بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔

تو عجیب و غریب خیالات میرے دل کو گھماتے ہیں۔ اور
آرزوئیں اپنی مسرتوں اور کامیابیوں کے ساتھ مجھے گھیر لیتی ہیں۔
آدھی رات کو گزرے ہوئے زمانوں کے سائے دستک دیتے ہیں

اور بھولے بسرے خطوں کی رُو میں میرے پاس آتی ہیں۔
وہ میری طرف دیکھتی ہیں۔ میں بھی انہیں غور سے دیکھتا ہوں
اور اُن سے بات چیت کر کے پُرانی باتیں پوچھتا ہوں اور وہ میرے
سوالوں کا نہایت تلمطف اور خندہ پیشانی سے جواب دیتی ہیں۔
لیکن جب میں انہیں پکڑ کر تھامنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ا
وہ میرے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور اسی طرح غائب ہو جاتی ہیں
گویا وہ ہوا کے سینہ پر تیج و تاب کھاتا ہوا ایک دھواں ہیں۔

میں اس دُنیا میں ایک اجنبی ہوں۔ کوئی شخص میری رُو
کی بولی نہیں سمجھتا۔

میں ویرانے میں جاتا ہوں اور ندیوں کو فرازِ کوہ سے وا
کے نشیب میں گرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

میری آنکھوں کے سامنے بے برگ و بار درخت لہلہا اٹھتے ہیں۔

اور خشک پتوں کو جھاڑ کر چیل پھول لے آتے ہیں۔

اور میری نظروں میں ان کی ٹہنیاں نیچے کی زمین پر گر پڑتی ہیں۔

اور کالی ناگنیں بن کر ریگنے لگ جاتی ہیں۔

اور یہ سب کچھ ایک لمحہ میں ہو جاتا ہے۔

میرے خواب کچھ عجیب سے ہیں۔

کسی انسان نے ایسے خواب نہیں دیکھے۔

میں پندوں کو نمودِ سحر کے سامنے گاتے اور پھر انہیں چھینتے اور

چپلاتے ہوئے سنتا ہوں۔

میں انہیں نیچے اترتے اور لمبے لمبے کھلے ہوئے بالوں والی برہنہ

عورتوں کا روپ دھارتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ جو مجھے محبت کی خاطر

سُرمہ سے تیز کی ہوئی پلکوں سے دیکھتی ہیں۔

اور شہد سے تر کئے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ہنستی ہیں۔

اور اپنے سفید ہاتھوں کو جو خوشبو اور حنا سے معطر ہیں میری

طرف بڑھاتی ہیں۔

اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے کہر کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ اور

فضا میں اپنے طنز یہ تہتہوں کی گونج چھوڑ جاتی ہیں۔

میں اس دنیا میں ایک پردیسی ہوں۔

میں ایک شاعر ہوں۔

جو اشعار میں ان چیزوں کو جمع کرتا ہوں۔ جنہیں زندگی نثر میں

فراہم کرتی ہے۔

اور میں نثر میں ان چیزوں کو نشر کرتا ہوں۔ جنہیں زندگی

اشعار میں جمع کرتی ہے۔

اس لئے میں ایک جلاوطن ہوں۔

پردیسی اور اجنبی۔ اور اس وقت تک پردیسی رہوں گا۔

جب تک موت مجھے اوپر نہ اٹھالے اور مجھے روحستان میں

نہ لے جائے۔

اے میری ماں کے بیٹو

مجھ سے کیا چاہتے ہو تم اے میری ماں کے بیٹو
 کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے بے کار وعدوں کے ایسے
 محل تعمیر کروں جو صرف خوبصورت باتوں سے آراستہ ہوں اور جن پر
 محض خوابوں کی پھتیں ڈالی گئی ہوں یا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ہر اُس
 عمارت کو بیونہ خاک کر کے رکھ دوں جو مٹکار اور بزدل انسانوں
 نے تعمیر کی اور ایسے میناروں کو نیست و نابود کر دوں جنہیں بد نظرت
 اور خبیث لوگوں نے بنایا

کیا چاہتے ہو تم

آخر میں کیا کروں میری ماں کے بیٹو
 کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں خوش کرنے کے لئے کبوتروں کی طرح
 غمغموں کوں یا اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے شیروں کی طرح
 دھاڑوں۔

میں نے تمہارے سامنے گیت گائے پر تم نہ ناچے۔

میں نے تمہارے سامنے نوحہ خوانی کی لیکن تم نہ روئے۔
تو کیا تم چاہتے ہو کہ بیک وقت میں خوشی کے گیت بھی گانا
اور نوحہ خوانی بھی کروں۔

تمہارے نفس بھوک سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ حالانکہ تم
کی روٹی وادیوں کے پتھروں سے بھی زیادہ ہے لیکن تم نہیں کھاتے
تمہارے دل پیاس سے ٹڈھال ہیں اور زندگی کی رو تمہارے
گھروں کے آس پاس ندیوں کی طرح بہ رہی ہے لیکن تم پیتے
کیوں نہیں۔

سمندر میں دھبہ جزر ہے۔ دل میں آنا چڑھاؤ ہے۔ موسم
میں گرمی سردی ہے لیکن سچائی نہ پھرتی ہے نہ زوال پذیر ہوتی
اور نہ ہی بدلتی ہے پھر تم سچائی کا چہرہ بگاڑتے کیوں ہو۔
میں نے تمہیں رات کی خاموشیوں میں پکارا۔ تاکہ تمہیں چاند کا
حسن اور ستاروں کی عظمت دکھاؤں پر تم اپنے بستروں سے ہڑٹا
کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم نے تلواروں کو تھام لیا اور اپنے تیر
سنبھال لئے اور تم جینے کہاں ہے دشمن۔ تاکہ ہم اس کے ٹکڑے
اڑا دیں مگر جب صبح ہوئی دشمن اپنے لاؤ لشکر سمیت آدھمکا۔
میں نے تمہیں پکارا مگر تم نے اپنے تکیوں سے سر بھی نہ اٹھایا

بلکہ خواہوں کی افواج سے مغلوب ہو کر رہ گئے۔
 میں نے تمہیں کہا۔ کہ آؤ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائیں تاکہ میں
 تمہیں دنیا کے ملک دکھاؤں۔ تو تم نے جواب دیا۔
 ہمارے باپ دادا نے اسی وادی کے نشیب و فراز میں زندگی
 بسر کی اور اسی دامی کے سائے میں مر گئے اور اسی کی غاروں میں
 انہیں سپرد خاک کیا گیا پھر ہم کس طرح اس وادی کی گہرائیوں کو چھوڑ
 کر وہاں جائیں جہاں ہمارے باپ دادا نہ گئے۔

میں نے تم سے کہا۔ کہ آؤ میدانوں کی طرف چلیں تاکہ میں تمہیں
 سونے کی کانیں اور زمیں کے خزانے دکھاؤں تو تم نے جواب دیا۔
 میدانوں میں چرووں اور بڑوں کو ڈوں کا خطرہ درپیش ہے۔
 میں نے کہا۔ آؤ ساحل کی طرف چلیں جہاں سمندر اپنی خیرات
 بانٹتا ہے تو تم نے کہا۔

موجوں کے تھپیڑے ہماری رُوحوں کو خوفزدہ کر دیتے ہیں اور
 سمندر کی گہرائیوں کے ہنگامے ہمارے جسموں کو مردہ کر دیتے ہیں۔
 میں تم سے محبت کرتا تھا۔ اے میری ماں کے بیٹو
 مگر محبت نے مجھے نقصان پہنچایا اور تمہیں بھی کوئی نفع نہ دیا۔
 لیکن آج میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔

نفرت وہ سیلاب ہے جو سوکھی ٹہنیوں کے سوا کچھ بہا کر نہیں
جاتا اور بوسیدہ مکانوں کے سوا کسی کو منہدم نہیں کرتا۔

میں تمہاری کمزوری پر ترس کھاتا ہوں لے میری ماں کے بیٹا
شفقت ضعیفوں میں اضافہ کرتی ہے اور کمزوروں کی تعداد
بڑھاتی ہے۔ اور زندگی میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتی۔

آج جب میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں تو میرا رُواں رُواں کا
اٹھتا ہے اور تمہیں دیکھ کر میرا دل تھم تھم جاتا ہے۔

میں تمہاری رقت اور انکساری پر روتا ہوں اور میرے آنسو
بتور کی طرح صاف و شفاف تھے۔ لیکن وہ تمہارے میلے کچیلے دانوں
کو نہ دھوسکے انہوں نے میری آنکھوں سے پر وہ اٹھا دیا۔ پر
تمہارے پتھروں ایسے سینے نرم نہ ہوئے البتہ میرے دل سے
در و مندی کو بھی لے گئے۔

آج میں تمہارے دردوں پر ہنستا ہوں اور ہنسی وہ وندنائی
ہوئی گرج ہے جو آنکھوں سے پہلے آتی ہے لیکن بعد میں نہیں۔
مجھ سے کیا چاہتے ہو تم لے میری ماں کے بیٹو۔

کیا تم چاہتے ہو۔ کہ میں تمہارے چہروں کے نقوش پانی کے
حوضوں میں دکھاؤں۔

آؤ دوڑتے ہوئے آؤ اور دیکھو کہ تمہارے چہرے کتنے

مدے ہیں۔

آؤ اور سوچو۔

خوف نے تمہارے سر کے بالوں کو رکھ ایسا بنا دیا ہے۔

شب بیداریوں نے تمہاری آنکھوں کو تاریک گڑھوں جیسا

دیا ہے۔

کمزوری اور بڑی نے تمہارے گالوں پر جھریاں ڈالی ہیں۔

اور تمہارے چہرے موت سے پہلے خزاں کے پتوں کی طرح

رو پڑ گئے ہیں۔

مجھ سے کیا مانگتے ہو اے میری ماں کے بیٹو۔

تم زندگی سے کیا چاہتے ہو۔

زندگی تمہیں اپنے بیٹیوں میں شمار کرتی ہے پر تمہاری رُو میں

ہنوں اور ساحروں کے پنجنوں میں گرفتار ہیں۔

تمہارے جسم سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں میں تڑپ رہے ہیں۔

تمہاری آباویاں دشمنوں اور فاتحوں کے پاؤں تلے لڑ رہی ہیں۔

تم سوئج کے سامنے کھڑے ہو کر کس چیز کے امیدوار ہو۔

تمہاری تلواریں صدیوں سے گند ہیں اور تمہارے تیر ٹوٹے

دئے ہیں۔ اور تمہارے بھالے کبھی بڑے سے لگتھڑے ہوئے ہیں تو
مرقم جنگ اور خونریزی کے میدان میں کیوں کھڑے ہو۔
تمہارا دین ایک دکھاوا ہے

تمہاری دنیا بھولے دعوے ہیں اور تمہاری آخرت خاک کے
راتے ہوئے ڈرے ہیں۔ تو کچھ تم جیتتے کیوں ہو۔ موت بد بختوں کی
حت کا سامان ہے۔

زندگی ایک اٹل ارادہ ہے جو جوانی کا رفیق ہے۔

ایک کوشش ہے جو عمر کے کمزور حصے کے ساتھ ہے۔

اور دانائی ہے جو بڑھاپے کے تابع ہے۔

لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو۔

تم بوڑھے اور کمزور پیدا ہوئے پھر تمہارے سر چھوٹے ہوتے

اور تمہاری کھالیں مسکڑتی گئیں یہاں تک کہ تم بچے بن گئے۔

تم مشکلات میں ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہو اور ایک دوسرے
بھتر برساتے ہو۔

انسانیت ایک شفاف ندی ہے جو اچھلتی، کودتی اور گاتی ہوئی

تی ہے اور پہاڑیوں کے راز سمندروں کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے۔

لیکن تم اے میری ماں کے بیٹو

وہ ہر بودار جو بڑھو جن کی تہوں میں کیڑے مکوڑے پلتے ہیں
 دران کے کنارے پر کالے ناگ کٹھ لیاں مارے بیٹھے ہیں۔

خودی!

خودی وہ چکدار اور اوپر کو اٹھتا ہوا شعلہ ہے جو سُوکھی لکڑیوں
 بلا کر رکھ دیتا ہے۔

ہوا لگنے سے تیز ہو جاتا ہے اور دیوتاؤں کے چہروں کو منور
 رتا ہے۔

لیکن تمہاری خودی اے میری ماں کے بیٹو
 وہ راکھ ہے جسے ہوائیں اڑا کر برف کے تودوں پر ڈال رہتی
 ہیں اور جسے آنڈھیاں ویرانوں میں بکھیر دیتی ہیں۔

میں تم سے نفرت کرتا ہوں اے میری ماں کے بیٹو
 کیونکہ تم بزرگی اور عظمت سے نفرت کرتے ہو

میں تمہیں حقیر سمجھتا ہوں

کیونکہ تم اپنی خودی کو حقیر سمجھتے ہو

میں تمہارا دشمن ہوں

کیونکہ تم اللہ کے دشمن ہو

لیکن تم نہیں جانتے

رات

اے رات

شاعروں

عاشقوں

اور مغنیوں کی مونس،

اے رات

جس میں سائے رُوحوں اور سُپنوں کے ساتھ آباد ہیں!

اے رات

جو ہماری آرزوؤں، اُمنگوں اور یادوں کو اپنے آغوش میں

لے لیتی ہے۔

اے رات

تو ایک عظیم الجثہ دریو ہے۔ جو شام کے پھوٹے پھوٹے بادلوں
اور صبح کی دُہنوں کے مابین خوف و دہشت کی تلوار لگائے، چاند کا
تاج اور خاموشی کا لباس پہنے کھڑا ہے۔ اور جو ہزار ہا آنکھوں سے

زندگی کی گہرائیوں کو دیکھتا ہے۔ اور ہزار ہا کانوں سے فنا اور
مائیوسیوں کی آہوں اور سسکیوں کو سنتا ہے۔

یہ تیری ہی تاریکی ہے اور رات! جس سے ہمیں آسمانی نور کا سراغ
مِلتا ہے۔ کیونکہ دن کی روشنی نے ہمیں زمین کی تاریکیوں میں محسوس کر
رکھا ہے۔

لئے رات! یہ تیرا ہی قول ہے۔ جو ہماری بصیرت کو ابدیت سے
روشناس کرتا ہے۔ کیونکہ دن کی نمود ہمیں زمان و مکان کی وسعت
میں اندھوں کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔

اور رات! یہ تیری ہی پُر سکون خاموشی ہے۔ جو ہمیشہ بیدار
اولیٰ چین رہنے والی رُوحوں کا بھید ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ دن
ایک ہیجان خیز غوغا آرائی ہے۔ جس میں رُوحیں ہوا و ہوس کے
تیز سُموں کے نیچے دب کر رہ جاتی ہیں!

لئے رات! تو ایک گلہ بان ہے۔ جو نیند کے بارے میں غریبوں
کے خوابوں اور امیدوں کی اُمیدوں کو جمع کرتی ہے۔

اور رات! تو وہ ساحہ ہے۔ جو اپنی پُر اسرار اُنکلیوں سے
تباہ حال انسانوں کی پلکیں بند کرتی ہے۔ اور ان کے دلوں کو ایک
ایسی دُنیا میں لے جاتی ہے۔ جو اس دُنیا سے زیادہ مہربان ہے۔

اے رات! تیرے سیاہ لہادے کے شبکنوں میں عشاق کو پناہ
 ملتی ہے۔ اور تیرے ان پاؤں میں جو شبہنم سے تر ہیں، فرقت زدہ
 لوگوں نے آنسو بہائے ہیں۔ اور تیری ہتھیلیاں جو کھیتوں اور انگوروں
 کے باغوں کی مہک سے معطر ہیں، اجنبیوں نے اپنی بے چینیوں اور
 مایوسیوں کو دفن کیا ہے۔

تو عاشقوں کی مونس، تنہا لوگوں کی رفیق اور خانماں بربادانسلوں
 کی میزبان ہے اور ات!!

تیرے گہرے سائے میں شاعر کے افکار مچلتے ہیں، تیرے دامن
 میں پیغمبروں کا دل بیدار ہوتا ہے۔ اور تیری پیشانی پر تمغیل کے نقوش
 اُسپرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو شاعر کے لئے شہنشاہ، پیغمبر کے لئے
 ایک رویا، اور مفکر کے لئے ایک دُمساز ہے اے رات!

جب میری رُوح لوگوں سے اگتا گئی۔ اور میری آنکھیں دن
 کے چہرے کو تکتے تکتے تھک گئیں۔ تو میں دُور دراز کھیتوں کی طرف
 بھل گیا۔ جہاں ازمنہ قدیم کے سائے خوابیدہ تھے،

میں وہاں ایک تاریک اور خاموش ہستی کے سامنے کھڑا رہا۔
 جو ہزار ہا پاؤں کے ساتھ پہاڑوں اور وادیوں میں محو خرام تھی۔
 میں تاریکی کی آنکھوں میں نظریں گاڑے دیکھتا رہا۔ اور

غیر مرئی پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنتا رہا۔ مجھے اس وقت ایسا محسوس ہوا۔ جیسا کہ میں ایک غیر فٹشکل پیرہن کو چھو رہا ہوں۔ اور میرے دل پر زائد دیدہ ہستیوں کا خوف طاری ہوا۔

اے ٹھیب، خوبصورت اور پُر جلال رات! میں نے تجھے آسمان اور زمین کے درمیان بادلوں کا لبادہ اور کبر کا کر بند پہنے دیکھا، تو سورج کی روشنی پر قبضے لگا رہی تھی۔ اور دن کی عظمت کا مضحکہ اُڑا رہی تھی!

میں نے تجھے ان بے شمار غلاموں پر نفرت کا اظہار کرتے دیکھا اے رات! جو بتوں کے سامنے رات بھر گھٹنے ٹیکے پڑے رہتے ہیں۔ اور ان بادشاہوں کو حسارت کی نظر سے دیکھتے پایا۔ جو اطلس کو خواب کے بستر میں پڑ کر سو رہتے ہیں اور شب بھر سنہری خواب دیکھتے ہیں۔ میں نے تجھے چوروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے۔ اور سوئے ہوئے بچوں کی پاسبانی کرتے پایا۔

فاحشہ عورتوں کے تبسم پر روتے، عاشقوں کے آنسوؤں پر نمسکتاتے، اور اپنے داہنے ہاتھ سے حوصلہ مند انسانوں کو اوپر اٹھاتے اور کم ظرف انسانوں کو پاؤں تلے روندتے دیکھا۔

اے رات میں نے تجھے یوں دیکھا اور تُو نے بھی مجھے دیکھا۔ تو اپنے اس پُر رعب حُسن میں بھی میرے لئے مثلِ باپ کے تھی۔ اور میں اپنے خوابوں میں ایک بیٹا تھا۔ کیونکہ وجود کے نقاب ہٹائے گئے تھے۔ اور شکوک کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔

تُو نے مجھ پر اپنے اسرار کا انکشاف کیا۔ اور میں نے تم پر اپنی تمام اُمیدیں اور تمناؤں کا ظاہر کر دیں۔ تب تیری عظمت ایک لطیف گیت بن گئی۔ جو پھولوں کی سرگوشیوں سے زیادہ خوبصورت تھی، اور میرے اندیشے پرندوں کے اعتماد سے بھی زیادہ بھروسے میں بدل گئے۔“

تُو نے مجھے اٹھایا۔ اور اپنے کندھوں پر جگہ دی۔ اور میری آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سُننے۔ ہونٹوں کو بولنے اور دل کو محبت کرنے کا راز بتایا۔

تُو نے اپنی یاد بھری انگلیوں سے میرے نخیل کو چھوا۔ اور میرے افکار ایک گاتی ہوئی ندی کی طرح بہہ نکلے اور خس و خاشاک کو اپنی لہروں میں بہا کر لے گئے۔

تُو نے اپنے ہونٹوں سے میری لُوح کو بوسہ دیا۔ اور وہ بھرک اٹھی۔ اور اس کے شعلوں نے تمام بے جان اور دم توڑتی ہوئی

چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

اے رات، میں تیرا برابر سمجھا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تجھ میں اور
مجھ میں کوئی فرق نہ رہا۔

میری حیثیت تیرے رفیق کی سی ہو گئی۔ یہاں تک کہ تیری تمنائیں
میری تمنائیں بن گئیں۔

میں نے تجھ سے محبت کی۔ یہاں تک کہ میری ہستی ایک اونٹ
پیمانے پر تیری ہستی بن گئی۔

میرے تار یک وجود میں بھی دھکتے ہوئے ستارے ہیں۔ جنہیں
عذباتِ شام کے وقت بکھیر دیتے ہیں۔ اور شبہاتِ نذر کے ترکے
میں جمع کر لیتے ہیں۔

اور میرے سینے میں ایک چاند ہے۔ جو کبھی گہرے بادلوں سے
دست بگر بیاں ہوتا ہے۔ اور کبھی خوابوں کے ہجوم سے جو تمام دُنیا
پر چھایا جاتے ہیں۔

اب میری بیدار رُوح میں ایک سکونِ خلوت گزیرا ہے۔ جو
عاشقوں کے بھیدا اور عابدوں کی دُعاؤں کو واضح کرتا ہے۔ اور
میری ہستی پر رازوں اور اسرار کا ایک نقاب ہے۔ جسے جانکنی

کا عذاب تار تار کر دے گا۔ لیکن شباب کے گیت اسے پھر دفن
کر دیں گے۔

اے رات میں تیری طرح ہوں۔ اگر انسان مجھے بر خود غلط
خیال کرتا ہے۔ تو کیا وہ خود کو دن سے تشبیہ دے کر مغرور نہیں!
میں تیرے جیسا ہوں اورات! مجھ پر بھی ایسی باتوں کا الزام
لگایا جاتا ہے۔ جن کا میں مطلقاً قصور وار نہیں۔

میں اپنی اُمیدوں، خوابوں اور اپنی وجودی کیفیتوں میں تجھ
جیسا ہوں اورات!

میں تیری طرح ہوں اورات اگرچہ شام مجھے اپنی پُتر اسرار
سنہری اُون کا تاج نہیں پہناتی۔

میں تیری طرح ہوں اورات! اگرچہ مجھے نمودِ صبح موتیوں
اور پھولوں سے سجا ہوا لباس نہیں پہناتی۔

میں تیرے جیسا ہوں اورات۔ اگرچہ مجھے کہکشاں کا
کمر بند ٹیسر نہیں،

میں بھی ایک رات ہوں اورات! وسیع اور خاموش اگرچہ
میں پانچولان بھی ہوں اور باغی بھی،

میری تاریکیوں کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ میری گہرائیوں کی

کوئی انتہا ہے۔

جب مردہ انسانوں کی رُو جنیں خوابِ عدم سے اٹھ کر
 مسرت کے نور پر نازاں ہوں گی۔ تو میری شبِ آشنا رُو اپنے
 عموں کی تاریکی سے پیکرِ جلال بن کر عالمِ برزخ کی طرف پرواز کئے گی۔
 میں تیری طرح ہوں اورات! اور جب صبحِ طلوع ہوگی۔
 تو پھر تیری طرح میری زندگی بھی تمام ہو جائے گی۔

اے دل تو بھی خاموش ہو جا

اے دل خاموش
 یہ کون دسکاں تیری آواز سُننے کو تیار نہیں!
 خاموش اے دل!
 گرد و پیش کی فضا
 ماتم اور فریاد کی صداؤں سے بھری ہوئی ہے۔
 یہ تیرے نغمے نہیں سُنے گی۔
 اے دل خاموش!
 رات کے سائے تیرے بھیدوں کی مدہم آواز کو نہیں سُن سکتے۔
 اور تاریکی کا جلوس تیرے خوابوں کے لئے اپنے قدم نہیں
 دے گا۔

خاموش اے دل۔
 پو پھٹنے تک خاموش رہ
 جو شخص صبح کا تھل اور صبر سے انتظار کرتا ہے۔ وہ اس

کا نہایت اطمینان سے خیر متاہم بھی کرتا ہے۔
 اور جو شخص روشنی سے محبت کرتا ہے۔ روشنی بھی اس کی
 دل دادہ ہوتی ہے۔
 اے دل خاموش۔

اے میرے دل خاموش رہ۔ اور میرے الفاظ کو سن۔
 میں نے خواب میں ایک سیاہ پرندے کو ایک بھڑکتے ہوئے
 کوہِ آتش نشاں کے دہانے پر گاتے دیکھا
 میں نے ایک سوسن کا پھول دیکھا۔ جس نے اپنا سر برف
 سے اُپر اٹھایا ہوا تھا۔
 میں نے ایک برہنہ حور کو قبروں کے کتیبوں کے مابین
 ناچتے دیکھا۔

اور ایک بچے کو کھوپریوں کے ساتھ کھینتے ہوئے مسرور پایا۔
 یہ سب کچھ میں نے خواب میں دیکھا۔
 جب میں بیدار ہوا۔ اور اپنے گرد و پیش نظر ڈالی۔
 تو میں نے کوہِ آتش نشاں کو اپنے قبر و غضب کا مظاہرہ کرتے
 ہوئے پایا۔

لیکن سیاہ پرندے کو گاتے ہوئے نہ سن سکا۔

میں نے آسمانوں کو پہاڑوں اور وادیوں پر برف برساتے ہوئے
دیکھا۔ جس سے خاموش سوسن سفید کفن سے ڈھک گیا۔

میں نے قبروں کی قطاریں دیکھیں۔ جو زمانہ کے سکوت کے سامنے
کھڑی تھیں۔ لیکن میں نے کسی کو ان پر ناچتے یا دعا کرتے ہوئے
نہیں دیکھا۔

پھر میں نے کھوپڑیوں کا ایک بہت بڑا انبار دیکھا۔ لیکن ان
میں ہوا کے قبچھوں کے سوا کسی کے قبچھے نہ سن سکا۔
جب میں بیدار ہوا۔ تو مجھے رنج و غم کے سوا اور کچھ بھی دکھائی
نہ دیا۔

تو پھر خوابوں کی مسترئیں کہاں کھو گئی ہیں۔
ہماری نیندوں کی شوکت کہاں مستور ہے۔ اور اس کی چمک مک
کہاں روپوش ہو گئی ہے۔

جب تک انسان کی تمنائیں اور امنگیں عالم خواب میں واپس
نہ آجائیں۔ اس کی رُوح کیسے صبر کر سکتی ہے۔
اے دل خاموش اور میرے الفاظ پر توجہ فرما۔

ابھی کل ہی میری رُوح ایک پُرانا اور مضبوط درخت تھی جس
کی جڑیں زمین کے سینے میں دوڑتے دھنسی ہوئی تھیں۔ اور اس

کی شاخیں فضا میں جھومتی تھیں۔
 فصل بہار میں ٹنگو نے پیدا کرتی تھیں۔
 اور موسم گرما میں پھل لاتی تھیں۔
 جب خزاں کا موسم آیا۔ تو میں نے چاندی کے طشت میں پھل
 جمع کئے اور انہیں چوراہے میں رکھ دیا۔
 رہگیر اس پھل کے پاس آئے۔ اسے اٹھا کر کھایا۔ اور چلتے بنے۔
 جب خزاں کا موسم گزر گیا۔ اور اس کا راگ رنگ فریاد اور
 ماتم میں بدل گیا۔
 تو میں نے طشتوں پر نظر ڈالی اور دیکھا۔ کہ لوگوں نے ایک کے
 سوا باقی تمام پھل کھائے ہیں۔
 جب میں نے اُسے چکھا۔ تو یہ ایلوسے کی طرح کڑوا اور کچھے
 انار کی طرح کھٹا تھا۔
 تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔
 نف ہے مجھ پر —————
 میں لوگوں کے ہونٹوں کے لئے لعنت بنا۔ اور میں نے ان
 کے پیٹ میں بیماری پیدا کی۔
 اے میری رُوح تیری وہ خوشبو کیا ہوئی۔ جو تیری شاخوں

نے سورج کی روشنی سے حاصل کی تھی۔

تب میں نے اپنی رُوح کا پُرانا — مگر مضبوط درخت
ماضی کے تنے سے کاٹ دیا۔ اور اس کے جسم سے بہاؤ اور خزاں
کی ہزار ہا یادوں کا لباوہ لیا۔

اور میں نے اپنی رُوح کا درخت دُوسری جگہ لگایا۔
میں نے اسے وقت کی سڑکوں سے دُور ہویا۔ اور راتوں اس
کی نگہبانی کی۔

اور اسے اپنے آنسوؤں اور خون سے سینچا۔

اور کہا:۔

”خون میں ایک خاص لذت اور آنسوؤں میں ایک خاص حلاوت

ہے۔“

جب فصل بہاؤ واپس آئی۔ تو میری رُوح کے درخت میں پھر
شگوفے پھوٹے اور گرمیوں میں پھیل لگا۔

اور جب خزاں آئی تو میں نے پکے ہوئے پھل کو پھر توڑا۔ اور
سونے کے ٹشتوں میں اُسے سجا کر چوراہے میں رکھا۔

لوگ پھر آئے اور گزر گئے۔

اور کسی نے بھی پھیل کو ہاتھ نہ لگایا۔
 تب میں نے پھیل کو اٹھا کر دکھایا۔ تو وہ شہد کی طرح میٹھا امت
 کی طرح رسید اور جنسلی کی طرح خوشبودار
 اور بابل کی شراب کی طرح خوش ذائقہ تھا۔
 اور میں نے بلند آواز میں چلا کر کہا۔
 لوگ اپنے ہونٹوں پر رحمت نہیں چاہتے۔
 اور نہ پیٹ میں صداقت کے خواہاں ہیں۔
 کیونکہ رحمت آنسوؤں کی بیٹی ہے۔
 اور صداقت درد کا تخت جگہ ہے۔
 تب میں واپس آیا۔ اور اپنی رُوح کے الگ تھلگ درخت
 کے سائے میں بیٹھ گیا۔
 اور اس کا کھیت وقت کی رٹکوں سے پرے ہے۔

اے دل خاموش — پو پھٹنے تک خاموش رہ
 فضا مردہ جسموں کی عفو نت سے لبریز ہے۔ وہ تمہارے زندہ
 سانسوں کو قبول نہیں کرتی۔
 اے دل خاموش رہ اور میری آواز سن۔

ابھی کل ہی میرا تختیل ایک جہاز کی طرح سمندر کی موجوں پر تیر رہا تھا۔ اور ہوا کے ساتھ ساحل بہ ساحل کوچ کرتا تھا۔

اور میرے تختیل کے جہاز میں سات شیشیوں کے سوا جو قوس و قزح کے سات رنگوں کی طرح تھیں۔
اور کچھ نہ تھا۔

ایک دن جب میں سمندر کے پانیوں پر سفر کرتے کرتے تنگ آ گیا۔

تو میں نے کہا۔

میں اپنے تختیل کے خالی جہاز کے ساتھ اپنی جنم بھومی کی بندرگاہ کو واپس جاؤں گا۔

اور جب میں واپس لوٹنے لگا۔ تو میں نے اپنے جہاز کے دونوں پہلوؤں پر سات رنگوں سے روغن کیا!

یہ شام کی شفق کی طرح زرد۔

آسمانوں کی طرح لاجوردی اور ترنج کی طرح خونیں رنگ بن گیا۔

میں نے اس کے بادبانوں اور چوڑوں پر ایسی تصویریں کھینچیں

جو آنکھوں کو مسحور کر کے فریب نظر بن جائیں۔

جب یہ کام پورا ہو چکا۔ تو میرے تختیل کا جہاز ایک پیغمبر کا

رویا معلوم ہوتا تھا۔

جو دونوں اپنی کٹار و سعتوں کے درمیان بہ رہا ہو۔
جب میرا جہاز واپس بندرگاہ میں پہنچا۔ تو تمام لوگ مجھ سے
رہنے آئے۔

انہوں نے مسرت کے نعروں سے میرا استقبال کیا۔ اور
طنبورے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے مجھے نہایت تعظیم و تکریم سے
شہر میں لے گئے۔

انہوں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا۔ کیونکہ میرے تخیل کا جہاز
ان کے لئے دلفریب تھا۔

لیکن کوئی شخص اس پر سوار نہ ہوا۔ اور نہ کسی نے یہ دیکھا کہ
میرا جہاز بالکل خالی ہے۔

تب میں نے اپنے آپ سے کہا۔

میں نے لوگوں کو دھوکا دیا ہے۔ اور رنگ کی سات شیشیوں
سے ان کی بصارت اور بصیرت دونوں کو فریب میں مبتلا کیا ہے۔

جب ایک سال گزر گیا۔ میں پھر اپنے تخیل کے جہاز پر سوار ہوا

اور سمندر پر چل نکلا۔

پھر میں جنوبی جزیروں کی طرف گیا۔ اور وہاں سے سونا،
یا قوت۔ زمرہ اور ہر قسم کے قیمتی پتھر لایا۔

میں شمال کی طرف بھی گیا۔ اور وہاں سے نایاب قسم کا ریشم اور
مخمل اور ہر قسم کے فیتے اور جھالریں حاصل کیں۔

وہاں سے میں مغرب کی طرف گیا۔ اور زرہ بکتر۔ نیزے اور
تلواریں اور انواع و اقسام کے ہتھیار مہیا کئے۔

اس طرح میں نے اپنے تختیل کے جہاز کو دنیا بھر کی بیش قیمت
اور نادراستیا سے بھر لیا۔ اور اپنے دیس کی طرف واپس لوٹا۔
اور دل میں کہا۔

اب میرے وطن کے لوگ میری بہت آؤ بھگت کریں گے اور
مجھے گنتیوں اور شہنائیوں کے ساتھ بازار میں لے جائیں گے۔
لیکن دیکھو۔ جب میں اپنے وطن کی بندرگاہ میں پہنچا۔ تو
کوئی شخص میری پیشوائی کو نہ آیا۔
اور نہ کسی نے میرا خیر مقدم کیا۔

میں اپنے شہر کے گلی کوچوں میں داخل ہوا۔ لیکن کسی نے میری
طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔

میں بازار کے چوکوں میں بھی کھڑا ہو کر بلند آواز کہتا رہا کہ میں

تمہارے لئے دُنیا بھر کے تحفے لایا ہوں۔ لیکن لوگ مجھے متحضر سے دیکھتے رہے۔ اور ان کے چہروں پر حقارت کے آثار نمایاں تھے۔ وہ سب مجھ سے منہ موڑ کر چل دیئے۔

اس طرح میں برگشتہ وجیراں بکھڑا رہا۔ اور بالآخر بندرگاہ کی طرف پہلا گیا۔

جونہی میری نظر جہاز پر پڑی۔ میں نے ایک ایسی بات دیکھی۔ جس کی طرف میں نے سفر میں کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اس لئے میں نے شرمسار ہو کر کہا۔

دیکھو۔ موجوں نے میرے جہاز کے ساتوں رنگ مٹا دیئے ہیں۔ اور اب یہ ہڈیوں کا ایک ڈھچھر معلوم ہوتا ہے۔

تند ہواؤں۔ طوفانوں اور سورج کی شعاعوں نے اس کے بادبانوں سے وہ حیرت انگیز اور دل فریب تصویریں محو کر دی تھیں جو میں نے ان پر کھینچی تھیں۔ اور اب یہ بالکل بے رنگ اور حقیر چیدتھڑے معلوم ہوتے تھے۔

یہ درست ہے۔ کہ میں نے دُنیا بھر کے خزانے صندوقچہ میں جو سمندر کی سطح پر تیرنا پھرتا ہے۔ اکٹھے کئے۔ اور اپنے دیس کو واپس آیا۔ لیکن میرے ہم وطن مجھ سے دُور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ ان کی

اسکھیں ظاہری آب و تاب کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔
 میں نے اس وقت اپنے تخیل کا جہاز چھوڑ دیا۔ اور شہر
 خموشاں کی طرف چل نکلا۔ وہاں میں سفید قبروں کے درمیان بیٹھ
 گیا۔ اور ان کے بھیدوں پر غور و خوض کرنے لگا۔
 اے دل خاموش! تو صبح تک خاموش رہ۔

خواہ طوفان تیری گہرائیوں کی ہلکی ہلکی آوازوں پر خندہ زن
 ہوں۔ کیونکہ جو کوئی صبح کے لئے صبر اور تحمل سے انتظار کرتا ہے۔
 صبح اُس کے ساتھ محبت اور شفقت سے ہم کنار ہوتی ہے۔
 اے میرے دل۔ دیکھو صبح نمودار ہو گئی ہے۔
 اگر تجھ میں تاب گویا ئی ہے۔ تو بول۔ اے میرے دل۔
 صبح کا جلوس دیکھو،

کیارات کے سکوت نے تیری گہرائیوں کی تہ میں ایک گیت
 نہیں پیدا کیا۔ تاکہ تو اس سے صبح کا خیر مقدم کرے۔
 واوی پر فاختاؤں اور سیاہ پرندوں کی پرواز دیکھو۔
 کیارات کے جلال نے تیرے پروں میں اتنی توانائی نہیں
 پیدا کی۔ کہ تو ان کے ساتھ محور پرواز ہو۔

دیکھو! چرواہے اپنے گٹوں کو باڑوں میں سے باہر نکال

رہے ہیں۔

کیا رات کے سایوں نے تم میں یہ ولولہ پیدا نہیں کیا۔ کہ تو
بھی سرسبز مغزاروں کی طرف جائے۔

دیکھ! نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھ! جو باغوں کی طرف

جا رہی ہیں۔

کیا تو اٹھ کر ان کے ساتھ گامزن نہ ہوگا۔

اے میرے دل اٹھ۔ نمودِ صبح کے ساتھ تو بھی حرکت کر۔

رات گزر چکی ہے اور اس کی ہولناکیاں اپنے تاریک خوابوں

کے ساتھ رخصت ہو چکی ہیں۔

اے میرے دل اٹھ اور پنچم میں گا کیونکہ جو شخص صبح کانٹوں

سے استقبال نہیں کرتا۔

وہ اندھیرے کا فرزند ہے۔

مٹھی

بڑی شان و شوکت اور عزت و اقبال کے جلو میں
 مٹھی مٹھی کے بطن وجود سے جنم لیتی ہے
 پھر یہ مٹھی بڑے طمطراق سے مٹھی کے اوپر چلتی پھرتی ہے
 مٹھی مٹھی سے بادشاہوں کے لئے محلات
 اور خاص و عام کے لئے اونچے اونچے مینار اور اچھے اچھے
 معبد تعمیر کرتی ہے۔

وہ دیو مالا کے تانے بانے بنتی ہے
 زندگی کے لئے سخت گیر قانون وضع کرتی ہے
 اور دقیقہ رس عقائد کی تشکیل کرتی ہے
 جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے
 تو مٹھی مٹھی کے جنجالوں سے اگتا کر
 اپنی طبیعت کے نور و ظلمت کی مدد سے
 تاریک و بھیا تک سایوں

نرم و لطیف تصورات اور دلفریب و سہانے خوابوں کی تخلیق
کرتی ہے۔

اس محنت اور کاوش سے نڈھال ہو کر
جب مٹی کی پلکیں بوجھل ہو جاتی ہیں
تو مٹی کی نیند تھکی ماندی مٹی کو سکون بخشتی ہے اور سب کو اپنے
دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔

اور پھر مٹی مٹی کو مخاطب کرتے ہوئے یوں گویا ہوتی ہے
دیکھو میں ہی بطن ہوں اور میں ہی مرقد
اور ہمیشہ ہمیشہ میں ہی بطن رہوں گی اور میں ہی مرقد
ہمیشہ

جب تک ستارے بے نشان
اور چاند لٹو راج جل بچھ کر اکھ کا ڈھیر نہ ہو جائیں
